اسلام ایک معاہدہ کا نام ہے

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

ا...... ''اسلام'' یا ''دین اسلام'' حق تعالیٰ شانہٗ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک معاہدہ کا نام ہے، ''کلمۂ طیبہ'' یعنی'' لاإلــه إلا الله مـحـمـد رسـول الله ''اسی معاہدہ کا متن ہے۔ معاہدے کی تمام دفعات نہایت اجمال وخوبی کے ساتھ انہی دو حرفوں میں سمیٹ دی گئی ہیں۔ ''کلمۂ طیبہ'' کا پہلا جزء اللہ تعالیٰ شانہٗ کی الوہیت وخدائی کا دل و جان سے اقرار ہے۔ اس جزء میں حق تعالیٰ شانہٗ کی تمام صفاتِ کمال جلال و جمال کو سمیٹ دیا گیا: حق تعالیٰ خالق ہے، حق تعالیٰ رازق ہے، ہادی برحق ہے، وہ ہر دور میں تمام مخلوقات کے لئے ہدایت وارشاد کے نظام نامے نازل فرماتا اور اپنے نمائندے بھیجتا رہا ہے، کسی قوم کو بغیر ہادی کے نہیں چھوڑا، ہر دور کے ہر پیغام پر ایمان لانا، یقین کرنا ضروری ہوگا۔ الغرض یہ اور اس قسم کی تمام تفصیلات اسی جزء کی تشریحات ہوں گی۔ دوسرا جزء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت کا زبان سے اعتراف اور دل وجان سے اسے تسلیم کرنا ہے، وہ تمام صفات وکمالات جو حضرت حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائے ہیں، ان سب پر ایمان لانا ایک کلمہ گو کے لئے ضروری ہوگا۔

بعثت انبیاءؑ کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا، وہ آپ ﷺ پر ختم ہوا اور آپ ﷺ خاتم النبیین بنائے گئے، حق تعالیٰ کا آخری پیغام ہدایت ''قرآن کریم'' آپ ﷺ ہی کے ذریعہ رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لئے نازل فرمایا گیا اور اس کے تمام احکام ابدی ہیں، ان میں کسی ترمیم وتبدیل کی گنجائش نہیں اور یہ نظام نامۂ ہدایت چونکہ تمام مخلوقات کے لئے تھا، عرب کے لئے تھا، عجم کے لئے بھی، ایشیا کے لئے بھی تھا اور یورپ کے لئے بھی، افریقہ کے لئے بھی تھا اور امریکہ کے لئے بھی تھا اور ہر دور کے لئے تھا اور تمام نسلِ انسانی جو قیامت تک آنے والی تھی سب

کے لئے تھا، اس لئے کسی دور میں جو برائیاں اور خرابیاں پیدا ہونے والی تھیں، ان سب کی اصلاح کے لئے تھا۔ اور ایسا کرنے سے حق تعالیٰ عاجز نہ تھا، کیونکہ اس کا علم بھی کامل ومحیط تھا، ازلی تھا، ابدی تھا، کوئی چیز اس سے مخفی نہ تھی اور قدرت بھی کامل تھی، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہ تھی، اس لئے تمام نسلِ انسانی کے لئے اور ان کے امراضِ روحانی کے لئے ایک جامع نسخۂ شفاء نازل کرنا اس کے علم محیط اور قدرت کاملہ سے باہر نہ تھا اور اسی آخری پیغام ہدایت میں یہ واضح اعلان فرمایا تھا کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم کردیا گیا اور نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس کی تفصیلات کو قرآن وحدیث میں واضح کردیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام تفصیل اسی دوسرے جزء کی تشریح ہے۔ ان دوحرفوں کے اعتراف کرلینے سے تمام دین کے تسلیم کرلینے کا معاہدہ ہوجاتا ہے اور دین کی ایک ایک بات کو ماننا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوجاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ زبان سے تو صرف اظہار واقرار کرنا ہوتا ہے، اصل تسلیم واعتراف تو دل کا ماننا اور اس پر یقین کرنا ہے۔ کوئی شخص بھی ایسے معاہدہ کو صحیح نہیں مان سکتا جو صرف زبان سے تو کہا جائے اور دل میں نہ ہو، اسی کا نام جھوٹ ہوگا۔ سچے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ بدل وجان تسلیم کیا جائے اور قلبی یقین واذعان کا زبان سے اظہار واقرار کیا جائے۔

دیکھئے! ''عقد نکاح'' کیا ہے؟ بظاہر تو صرف دو لفظ ہیں: ''ایجاب وقبول'' ایک کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنا نفس آپ کے نکاح میں دے دیا، دوسرا کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا۔ انہی دولفظوں کے بولنے کے بعد گویا وہ تمام باتیں جوزوجیت کے لوازم ہیں، سب اسی ایجاب وقبول میں آگئیں: بیوی کا نفقہ، اس کی رہائش، اس کی تیمارداری، اس کی حفاظت، اس کی ہر وہ خدمت جس کی وہ محتاج ہوگی، ان سب کے التزام کا معاہدہ ہوگیا، کوئی جاہل یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں نے کب ان باتوں کا اقرار کیا تھا؟۔ تمام عقود ومعاملات کا دارومدار ان ہی دوحرفوں پر ہوتا ہے، جس کا نام شرعی زبان میں ''ایجاب وقبول'' ہے۔ تمام حکومتوں کے معاملات اسی طرح سے ہوتے ہیں۔ جب ایک حکومت نے دوسری حکومت کو تسلیم کرلیا اور اپنا سفیر بھیج دیا تو وہ تمام روابط جو آج کی بین الاقوامی سیاست میں دو دوست حکومتوں میں ہوا کرتے ہیں وہ سب قائم ہوجاتے ہیں۔ الغرض ''لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' کا یہ مختصر کلمہ تمام اسلامی معاہدے کا متن ہے اور دین اسلام کی تمام ہدایات واحکام کا ماننا ضروری ہوجاتا ہے، اس لئے تمام علماء امت محمدیہ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ ایمان یا اسلام نام ہے اس عقد کا کہ جو کچھ اللہ ورسول ﷺ نے فرمایا ہے وہ سب سچ ہے، دل وجان سے اس کی تصدیق کی جائے اور اس پر ایسا یقین کامل ہو جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو اور ہر طرح کے شبہات وشکوک سے بالاتر ہو، اس قسم کی تصدیق کا نام ایمان ہے: ''ھو

تصدیق النبی فی جمیع ماجاء به من عند الله، مما علم کونه من الدین ضرورة".

۲..... جہاں تک لغت کا تعلق ہے ''اسلام'' کے معنی تسلیم وانقیاد اور طاعت وفرمانبرداری کے ہیں اور قرآن کریم کی اصطلاح میں ''اسلام'' کا اطلاق اس آسمانی دین پر ہوتا ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ذریعہ حق تعالیٰ کی طرف سے آیا۔ یہ سلسلہ حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام سے شروع ہوکر حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوا، اسی لئے ہر نبی کے دور نبوت میں اس کے ذریعہ آئے ہوئے دین کو ''دین اسلام'' کہا جاتا تھا، اور ہر وہ شخص جو اس دین کا متبع ہو ''مسلمان'' کہلانے کا مستحق تھا، لیکن آخر میں جب یہ سلسلہ حضرت خاتم النبیین ﷺ پر آکر ٹھہرا تو دین حق، دین محمدی (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) کا نام بن گیا اور جو دین حق اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اللہ محمد بن عبداللہ ﷺ کے ذریعہ نازل فرمایا، محض اس کا لقب ''اسلام'' رکھا گیا، اب ''دین اسلام'' صرف اسی مخصوص دین کا لقب اور نام ہے، کسی دوسرے دین پر اس کا اطلاق نہ ہوگا اور نہ کسی قدیم یا جدید دین کے ماننے والے کو ''مسلمان'' کہنا ہی صحیح ہوگا، اسی لئے عرفات کے میدان میں عرفہ کے دن جمعہ کی عصر کو ۹ رذی الحجہ ۱۰ھ تمام امت اسلامیہ کے سامنے یہ اعلان کردیا گیا:

''اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی وَرَضِیْتُ لَکُمُ الإِسْلاَمَ دِیْناً''. (المائدۃ:۳)

ترجمہ:۔ ''آج کے دن تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کرفرمادیا اور اپنی نعمت پوری کردی اور اسلام ہی تمہارا دین تمہارے لئے پسند کیا۔

اس مقام پر بعض مشاہیر اہل قلم کو بڑی غلط فہمی ہوئی اور خطرناک باتیں قلم سے نکل گئیں، حقیقت یہی ہے جو عرض کی گئی۔ کامل ترین صورت میں حق تعالیٰ نے ''دین اسلام'' کو نازل فرمایا اور اس آخری ہدایت کو آخری شکل دے دی گئی، جس میں کسی اضافے یا ترمیم کی گنجائش نہیں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی اور ارشادات سے اس کی مکمل تشریح کردی گئی، اور قرآنی ونبوی ارشادات میں ایسے رموز ونکات واشارات کردیئے گئے کہ ان کو صحیح طور پر سمجھ لینے کے بعد آئندہ کے تمام مسائل کا حل نکل سکے، اور ان کی روشنی میں وہ تمام مسائل خود بخود واضح ہوتے رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ مدارک وعقول کے مراتب میں قدرتی تفاوت واختلاف موجود ہے، تو اجتہادی مسائل میں بھی اختلاف ناگزیر ہے، اس لئے اس کو برداشت کیا گیا اور عہد نبوت میں جو طریقہ کار رہا، اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ البتہ غور وفکر کرنے والے حضرات کے لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں اجتہاد کی اہلیت اور اس کے شرائط ضروری ہیں، اور جن کو اہلیت نہ ہو، ان کی مداخلت برداشت کے قابل نہیں۔ یہ تو نہایت نازک مرحلہ ہے اور غامض ودقیق حِکَم واسرار ہیں، اللہ ورسول کا کلام ہے،

ہر کس و ناکس کے لئے دخل دینے کی گنجائش کا کیا امکان ہے؟ جب کہ دنیا کے ''علوم وفنون'' جو انسانی عقول وادراکات کے نتائج ہیں اور انسانی دائرۂ عقل سے بالاتر نہیں، ان کے لئے بھی اہلیت کو ضروری سمجھا جاتا ہے، پھر کیسی عجیب بات ہے کہ اللہ ورسول کے کلام میں اتنی آزادی وحرّیت؟ کہ جس کا جی چاہے اور جو چاہے اس کے لئے وقف عام کردیا جائے۔ کتنی حیرت کی بات ہے اور اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ ہے کہ شرعی نصوص یعنی اللہ تعالیٰ ورسول اللہ ﷺ کی واضح ہدایات کو میزان عقل قاصر سے ناپا تولا جائے اور جب اپنی فہم نارسا کے موافق نہ دیکھے، انکار کیا جائے۔

۳.....تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا اصلی مرکزی نقطہ نہ صرف اصلاح معاشرہ ہے، بلکہ مخلوق کا خالق سے ٹھیک ٹھیک رابطہ پیدا کرنا ہے، تاکہ انسانی نظریات اور اخلاق واعمال میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، ان کی اصلاح کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی وہ مرضیات بتلائی جائیں جن کے ادراک سے انسانی عقلیں قاصر ہیں۔ اسی طرح توحید، صفات باری، جنت، دوزخ، برزخ کے احوال، ملائکہ کا وجود یا مرنے کے بعد کی زندگی، حساب وکتاب، وغیرہ وغیرہ وہ دینی حقائق جن کے فہم وادراک سے تمام عقلیں قاصر ہیں، ان کا بتلانا اور ان تمام غیبی حقائق پر یقین پیدا کرانا ان کا منصب ہے۔ غرض جو خرابیاں اعتقاد وعمل، اخلاق وکردار میں پیدا ہوتی ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام ان کی اصلاح کرتے ہیں، ان خرابیوں اور بے اعتدالیوں میں سے کسی کا نام شرک ہے اور کسی کا کفر، کسی کا نام فسق ہے اور کسی کا ظلم، وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام مراحل کو طے کرنا ہے اور اس اصلاح کے راستے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان سے عہدہ برآ ہوتا ہے اور بسا اوقات جب معاملہ حد سے گذر جائے اور اصلاح کے تمام راستے بند ہوجائیں تو تلوار اٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے اور جہاد وقتال کی نوبت آجاتی ہے۔ اگر انبیاء کرام علیہم السلام کفر کو برداشت کریں اور کوئی اصلاحی قدم نہ اٹھائیں اور لوگوں کو اپنی اپنی حالت پر چھوڑ دیں اور عملی جدوجہد شرک وکفر کے مٹانے کے لئے نہ کریں تو بعثتِ نبوت کا تمام نظام بیکار ہوجاتا ہے اور معاذ اللہ! محض تماشہ سے زیادہ اس کی حیثیت نہ ہوگی۔ کامیابی یا ناکامی تو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، نتائج ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، مسؤلیت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تمام آسمانی ہدایات پر عمل کرنے کا جیسے حکم ہے اس کی تعمیل کرنی ہوگی۔

الغرض ایمان اور ایمانی حقائق کو واشگاف بیان کرنا، کفر وشرک کی باتوں کو واضح کرنا او رعملی جدوجہد کے تمام مراحل سے گزرنا انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ناگزیر ہے۔ اگر دعوت وتبلیغ کے کسی مرحلے پر ''لاَ إِکْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ '' یعنی ''(کسی کو) دین (پر لانے کے معاملہ) میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت (اور) گمراہی (ایک دوسرے) سے الگ الگ واضح

ہو چکی ہے (اس کے بعد بھی جو گمراہی کو چھوڑ کر ہدایت پر نہیں آتا، نہ آئے، جہنم میں جائے)'' کا اعلان ہوتا ہے تو کسی مرحلے پر جا کر ''مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ'' یعنی ''کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس (کافر) قیدی ہوں (اور وہ ان کو رہا کردے) یہاں تک کہ زمین میں خون ریزی نہ کرلے'' کا اعلان بھی ہوتا ہے اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ''وَقَاتِلُوْا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً'' یعنی ''اور لڑو ان کافروں سے جو تمہارے قریب (آباد) ہیں اور انہیں تم میں سختی محسوس کرنی چاہئے''۔ اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ'' یعنی ''اے نبی! ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور (ان سے ذرا نرمی نہ کیجئے بلکہ) ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بہت ہی بری جگہ ہے''۔ اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ''قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ''۔ یعنی ''آپ کہہ دیجئے! بہانے نہ بناؤ، اس میں ذرا شک نہیں کہ تم نے (دعویٰ) ایمان کے بعد (بھی) کفر کا ارتکاب کیا ہے''۔ اور یہ بھی اعلان ہوتا ہے: ''فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ؟'' یعنی ''(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں اختلاف کرنے لگے (کہ تم میں سے بعض ان کو مسلمان کہتے ہیں) باوجودیکہ اللہ نے ان کو بدعملی کے سبب اُلٹے پاؤں پھیر دیا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے گمراہ کردیا، اسے بھی ہدایت یافتہ قرار دو؟۔

بہرحال کفر وشرک کو مٹانا اور توحید کے جھنڈے گاڑنا ان کا سب سے پہلا کام ہوتا ہے۔ دینی نظام کے مختلف ادوار میں انبیاءؑ آتے رہے، کبھی کبھی انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ملوک وسلاطین کا نظام بھی قائم کیا گیا، اور انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی میں کام کرنے کا حکم دیا گیا۔

خاتم الانبیاء حضرت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو تمام انبیاء سابقین وملوک صالحین وعادلین کے کمالات کا وارث بنایا گیا اور ایسی جامعیت عطا فرمائی گئی کہ تمام مناصبِ اصلاح خواہ دعوت وتبلیغ کے ہوں یا جہاد وقتال کے یا نظم مملکت کے، آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں جمع کردیئے گئے تھے، بیک وقت آپ ﷺ داعی الی اللہ بھی تھے اور حاکم اعلیٰ بھی اور قائد جیوش بھی۔ آپ ﷺ کے خلفائے راشدینؓ بھی آپ ﷺ کی صفاتِ کمال کے صحیح جانشین تھے۔

جس طرح انبیاء علیہم السلام کا منصب تھا کہ توحید کی علمبرداری کریں، دنیا سے کفر وشرک کو مٹائیں اور دعوت الی اللہ کے لئے جدوجہد کریں، ٹھیک اسی طرح علوم نبوت کے وارثین کا فرض منصبی ہے کہ ایمان وکفر کی تمیز کرائیں اور ایک دوسرے کی حدود کو متعین کریں۔

جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا گناہِ عظیم ہے، ٹھیک اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا بھی بڑا

عظیم جرم ہے۔ اگر علماء امت اس فریضہ میں کوتاہی کریں تو ادائے فرض کی کوتاہی میں عند اللہ مجرم ہوں گے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی علم صحیح کی روشنی میں نیک نیتی سے ہو، جذبات سے بالاتر ہو، حدود اسلام کی حفاظت اور پاسبانی یہ علماء امت کا فرض منصبی ہے جس کے بہرحال مکلّف ہیں۔ اگر اسلامی حکمرانوں کا فرض منصبی ہے کہ وہ مملکتِ اسلامیہ کے جغرافیائی حدود کی حفاظت کریں تو علماءِ امت کا فریضہ ہے کہ وہ حدودِ دین اسلام کی حفاظت کی تدابیر سرانجام دیں۔ اور اگر غور کیا جائے تو دینِ اسلام کی حدود کی حفاظت مملکت اسلامی کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم ہے، اب اگر مملکت اسلامی کے چپہ چپہ کی پاسبانی ضروری ہے تو اس سے زیادہ اسلامی قوانین اور احکام کی پاسبانی، بلکہ ہر ہر حکم وقانون کی پاسبانی ضروری ہے۔ اور اسلامی مملکت بھی صحیح معنی میں وہی ہوسکتی ہے، جو دین اسلام کی محافظ ہو، اور جس میں احکامِ اسلام کی تنفیذ وتحفظ کی ضمانت ہو۔

ظاہر ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور پاسبانی کے لئے وجود میں آئی ہے، تمام تر کوشش اسی لئے تھی کہ مسلمانوں کے نفوس کو امن وامان نصیب ہو اور اسلامی احکام محفوظ ہوں۔

اگر کسی اسلامی ملک میں اسلامی قوانین کی حفاظت نہ ہو تو اس اسلامی حکومت کو اسلامی کہنا بے معنیٰ ہو جاتا ہے، ہر مملکت کی نوعیت اس کے دستور اور اس کے قوانین سے پہچانی جاتی ہے، جس طرح کمیونسٹ حکومت کا نظام اس کے دستور سے معلوم ہوگا اور جمہوری مملکت اس کے آئین سے معلوم ہوگی، اس طرح ایک اسلامی مملکت کی شناخت کی علامت اسلامی دستور ہے۔ اگر کسی اسلامی مملکت میں ''غیر اسلامی اقلیت'' موجود ہے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان کو غیر مسلم کہنا جرم ہوگا۔

کوئی غیر مسلم صرف اسلامی مملکت میں رہنے سے تو مسلمان نہیں بنے گا۔ کافر کافر رہے گا اور مسلمان مسلمان۔ اگر کافر موجود ہے تو اس کو کافر کہنا پڑے گا۔ اگر کوئی شخص اسلامی قوانین میں سے بھی کسی قانون کا انکار کرے گا تو وہ یقیناً کافر اور غیر مسلم قرار دیا جائے گا۔ اسلام کا تعلق نہ تو جغرافیائی حد بندی سے ہے، نہ رنگ ونسل سے ہے، نہ وطن سے ہے، بلکہ دین محمدی کی ایک ایک بات کو ماننے اور بغیر ہیر پھیر کے اس پر ایمان لانے اور یقین کرنے سے ہے۔ اس یقین کے اقرار کرنے کے لئے عنوان ہے ''لا إله إلا الله محمد رسول الله''۔

امید ہے کہ اہل انصاف کے لئے یہ چند اشارات کافی ہوں گے، حق تعالیٰ صحیح فہم نصیب فرمائے۔ واللہ سبحانه ولی التوفیق والهداية وهو حسبنا ونعم الوكيل.